ہندی ادب سے
مصنف: یشپال

پردہ

ڈاکٹر ریحان ثروت
''گلشنِ ریحان''، محلّہ کاغذی، بہارشریف، نالندہ (بہار)، موبائل: 8102810218

چودھری پیر بخش کے دادا چنگی کے محکمہ میں داروغہ تھے۔ آمدنی اچھی تھی۔ ایک چھوٹا مگر پختہ مکان بھی انھوں نے بنوالیا۔ بیٹوں کو تعلیم دلائی۔ دونوں بیٹے انٹرنس پاس کرنے کے بعد ریلوے اور ڈاکخانہ میں کلرک ہوگئے۔ چودھری صاحب کی زندگی میں بیٹوں کی شادی ہوئی اور بچے بھی ہوئے، لیکن عہدے میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی — وہی تیس، چالیس روپے ماہانہ کی ملازمت۔

اپنے زمانے کو یاد کرکے چودھری صاحب کہتے: ''وہ بھی کیا وقت تھا! لوگ مڈل پاس کرکے ڈپٹی کلکٹری کرتے تھے اور آج کل کی تعلیم ہے کہ انٹرنس تک انگریزی پڑھنے کے باوجود لڑکے تیس چالیس سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔'' بیٹوں کو اونچے عہدوں پر دیکھنے کا ارمان لیے ہی انھوں نے آنکھیں موندلیں۔

ماشاءاللہ، چودھری صاحب کے کنبے میں برکت ہوئی۔ چودھری فضل قربان ریلوے میں کام کرتے تھے۔ اللہ نے انھیں چار بیٹے اور تین بیٹیاں دیں۔ چودھری الٰہی بخش ڈاکخانہ میں تھے۔ انھیں بھی اللہ نے چار بیٹے اور دولڑکیاں بخشیں۔

چودھری خاندان اپنے مکان کو حویلی کہا کرتا تھا۔ نام بڑا دینے کے باوجود جگہ تنگ ہی رہی۔ داروغہ صاحب کے زمانے میں زنانہ اندر تھا اور بیٹھک میں بیٹھ کر وہ حُقّہ سے شوق فرماتے رہتے تھے۔ جگہ کی تنگی کے سبب اُن کے بعد بیٹھک بھی زنانہ میں شامل ہوگئی اور گھر کی دہلیز پر پردہ آویزاں ہوگیا۔ بیٹھک کے نہیں رہنے کے باوجود گھر کی عزت کا خیال تھا۔ لہٰذا پردہ ٹاٹ کا نہیں، عمدہ قسم کا رہتا۔

دونوں بھائیوں کے بیوی، بچوں کے ایک ہی مکان میں رہنے کے باوجود اندر سب کچھ الگ الگ تھا۔ دہلیز کا پردہ کون بھائی لائے؟ اس مسئلہ کا حل اس طرح ہوا کہ داروغہ صاحب کے زمانے کی پلنگ کی رنگین دریاں یکے بعد دیگرے دہلیز میں لٹکائی جانے لگیں۔

تیسری نسل کی شادیاں ہونے لگیں۔ آخر چودھری خاندان کی اولاد کو حویلی چھوڑ کر دوسری جگہیں تلاش کرنی پڑیں۔ چودھری الٰہی بخش کے بڑے صاحبزادے انٹرنس پاس کرکے ڈاکخانہ میں بیس روپے کی کلرکی پاگئے۔ دوسرے صاحبزادے مڈل پاس کرنے کے بعد اسپتال میں کمپاؤنڈر بن گئے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تعلیم اور نوکری دونوں مشکل ہوتی گئیں۔ تیسرے بیٹے ہونہار تھے۔ انھوں نے وظیفہ پایا اور مڈل پاس کرکے اسکول میں مدرّس ہوکر دیہات چلے گئے۔ چوتھے لڑکے پیر بخش پرائمری سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ آج کل کی تعلیم پر خرچ کے بوجھ کے سوا اور ہے کیا؟ اسکول کی فیس ہر ماہ اور کتابوں، کاپیوں نیز ڈرائنگ کے لیے روپے ہی روپے!

چودھری پیر بخش کی بھی شادی ہوگئی اور مولیٰ کے کرم سے بیوی کی گود بھی جلد ہی بھری۔ پیر بخش نے روزگار کے طور پر خاندان کی عزّت کے خیال سے تیل کی ایک مل میں منشی کی نوکری کرلی۔ تعلیم زیادہ نہیں تو کیا، سفید پوش خاندان کی عزّت کا پاس تو تھا۔ مزدوری اور دستکاری ان کے کرنے کی چیزیں نہیں تھیں۔ چوکی پر بیٹھتے۔ قلم، دوات کا کام تھا۔

بارہ روپے ماہ زیادہ نہیں ہوتے۔ چودھری پیر بخش کو مکان ستوا کی کچی بستی میں لینا پڑا۔ مکان کا کرایہ دو روپے تھا۔ قرب وجوار میں غریب اور نیچی ذات کے لوگ بستے تھے۔ کچی گلی کے درمیان لگے ہوئے کمیٹی کے نل سے گدلے پانی کی دھار بہتی رہتی، جس کی وجہ سے نل کے کنارے گھاس اُگ آئی تھی۔ نالی پر مکھیاں اور مچھر منڈلاتے رہتے۔ سامنے رمضانی دھوبی کی بھٹّی تھی، جس سے دھواں اور گندے کپڑوں کی بو پھیلتی رہتی۔ دائیں طرف بیکانیری موچیوں کے گھر تھے۔ بائیں جانب ورک شاپ میں کام کرنے والے قُلی رہا کرتے تھے۔

اس پوری بستی میں چودھری پیر بخش ہی پڑھے لکھے سفید پوش تھے۔ صرف ان کے ہی گھر کے دروازے پر پردہ تھا۔ سب لوگ انھیں چودھری

جی، منشی جی کہہ کر سلام کرتے۔ ان کے گھر کی عورتوں کو کبھی کسی نے گلی میں نہیں دیکھا۔ لڑکیاں چار، پانچ سال کی عمر تک کسی کام سے باہر نکلتیں اور گھر کی آبرو کے خیال سے اُن کا باہر نکلنا مناسب نہ تھا۔ پیر بخش خود ہی مسکراتے ہوئے صبح و شام کمیٹی کے نل سے گھڑا بھر کر لے آتے۔

چودھری کی تنخواہ پندرہ سال میں بارہ سے اٹھارہ ہوگئی۔ خدا کی طرف سے برکت ہوتی ہے تو صرف روپے پیسے کی ہی شکل میں نہیں، آل اولاد کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔ پندرہ برس میں پانچ بچے ہوئے۔ پہلے تین لڑکیاں اور بعد میں دو لڑکے۔

دوسری لڑکی ہونے کو تھی تو پیر بخش کی والدہ مدد کے لیے آئیں۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ دوسرا کوئی بھائی والدہ کی فکر کرنے آیا نہیں۔ اس لیے وہ چھوٹے لڑکے کے یہاں ہی رہنے لگیں۔

جہاں بال بچے اور گھر بار ہوتے ہیں وہاں سو قسم کے مسائل ہوتے ہی ہیں۔ کبھی بچے کو تکلیف تو کبھی زچّہ کو۔ ایسے وقت میں قرض کی ضرورت کیوں کر نہ ہو؟ گھر بار ہو تو قرض بھی ہوگا ہی۔

مل کی نوکری کا قاعدہ پختہ تھا۔ ہر ماہ کی سات تاریخ کو گن کر تنخواہ مل جاتی۔ پیشگی سے مالک کو نفرت تھی۔ کبھی بہت ضرورت پڑنے پر ہی مہربانی کرتے۔ کوئی ضرورت آ پڑتی تو چودھری گھر کی کوئی چھوٹی موٹی چیز گروی رکھ کر اُدھار لے آتے۔ گروی رکھنے سے روپے کے بارہ آنے ہی ملتے۔ سود ملا کر سولہ آنے ہو جاتے اور پھر چیز کے گھر واپس آنے کی توقع نہیں رہتی۔

محلّے میں چودھری پیر بخش کی عزت تھی۔ عزّت کی بنیاد تھی گھر کے دروازے پر لٹکا ہوا پردہ۔ اندر جو بھی ہو، پردہ سلامت رہتا۔ کبھی بچوں کی کھینچ تان یا بے درد ہوا کے جھونکوں سے اس میں سوراخ ہو جاتے تو پردہ کے پیچھے سے دو ہاتھ سوئی، دھاگا لے کر اس کی مرمت کر دیتے۔

مکان کے دروازہ کے کواڑ سڑتے سڑتے بالکل سڑ گئے۔ کئی دفعہ کسے جانے سے پیچ ٹوٹ گئے اور سوراخ ڈھیلے پڑ گئے۔ مکان مالک سر جو پانڈے کو اس کی فکر نہیں تھی۔ چودھری کبھی جا کر کہتے سنتے تو جواب ملتا۔ ''کون سی بڑی رقم دیتے ہو؟ دو روپے کرایہ اور وہ بھی چھ چھ ماہ کا بقایہ۔ جانتے ہو لکڑی کا کیا دام ہے؟ یہیں پسند ہے تو مکان چھوڑ دو۔'' آخر کواڑ گر گئے۔ رات میں چودھری اُسے جوں توں کر کے چوکھٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیتے۔ ساری رات دہشت رہتی کہ کہیں کوئی چور نہ آ جائے۔

محلّے میں سفید پوشی اور عزت ہونے کے باجود چور کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ شاید ایک بھی درست کپڑا یا برتن چور کو لے جانے کے لیے نہیں ملتا، لیکن چور تو چور ہے۔ چرائے جانے کے لیے کچھ بھی نہ ہو پھر بھی چور کا ڈر تو ہوتا ہی ہے۔ وہ چور جو ٹھہرا!

چور سے زیادہ فکر تھی آبرو کی۔ کواڑ نہ رہنے پر پردہ ہی آبرو کا رکھوالا تھا۔ وہ پردہ بھی تار تار ہوتے ہوتے ایک رات آندھی کی زد میں آ کر لٹکنے کے لائق نہ رہا۔ دوسرے دن گھر میں رکھی ہوئی واحد آبائی چیز دری دروازہ پر لٹک گئی۔ محلّے والوں نے دیکھا اور چودھری کو مشورہ دیا: ''ارے چودھری! دری کو کیوں خراب کرتے ہو؟ بازار سے ٹاٹ کا ٹکڑا لا کر لٹکا دو۔'' پیر بخش ٹاٹ کی قیمت بھی آتے جاتے کئی دفعہ دریافت کر چکے تھے۔ دو گز ٹاٹ آٹھ آنے سے کم نہیں مل سکتا تھا۔ ہنس کر بولے: ''ہونے دو، کیا ہے؟ ہمارے یہاں پختہ حویلی میں بھی دروازے پر دری کا ہی پردہ رہا کرتا تھا۔''

کپڑے کی مہنگائی کے اس زمانے میں گھر کی دو عورتوں اور تین لڑکیوں کے جسم سے کپڑے تار تار ہو کر یوں گر رہے تھے جیسے موسم خزاں میں درخت سے پتّے گرا کرتے ہیں، مگر چودھری صاحب کی آمدنی سے دن میں ایک بار کسی طرح پیٹ بھر سکنے کے لیے آٹے کے علاوہ کپڑے کی گنجائش کہاں تھی؟ خود انھیں ملازمت پر جانا ہوتا۔ پائجامہ میں جب پیوند سنبھالنے کی تاب نہ رہی تو مارکین کا ایک کُرتہ اور پائجامہ ضروری ہو گیا، لیکن وہ مجبور تھے۔

گروی رکھنے کے لیے گھر میں جب کچھ بھی نہ ہو تو غریب کا صرف ایک ہی مددگار رہتا ہے یعنی مغل خاں۔ رہنے کی جگہ دیکھ کر وہ روپے قرض دے سکتا ہے۔ دس ماہ قبل گود کے بچّے برکت کی پیدائش کے وقت پیر بخش کو روپے کی ضرورت پڑی۔ کہیں اور کوئی انتظام نہیں ہو سکنے کی وجہ سے انھوں نے مغل خاں ببر علی خاں سے چار روپے قرض لے لیے تھے۔

ببر علی خاں کا روزگار رستوا کے اس کچے محلے میں اچھا خاصا چلتا تھا۔ بیکانیری موچی، ورک شاپ کے مزدور اور کبھی کبھی رمضانی دھوبی ببر میاں سے قرض لیتے رہتے۔ کئی دفعہ چودھری پیر بخش نے ببر علی کو قرض اور سود کی قسط نہیں ملنے پر اپنے ڈنڈے سے قرض دار کے دروازہ کو پیٹتے دیکھا تھا۔ انھیں ببر علی اور اس کے قرض خواہ کے درمیانی مصالحت کرانی

پڑی تھی۔

خان کو وہ شیطان سمجھتے تھے، لیکن مجبور ہوجانے پر اُسی کی پناہ لینی پڑی۔ انھوں نے چار آنہ فی روپیہ ماہانہ پر چار روپے قرض لیے۔ شریف خاندانی مسلمان بھائی کا خیال کرتے ہوئے ببر علی نے ایک روپیہ ماہانہ قسط منظور کرلی۔ آٹھ ماہ میں قرض ادا ہونا طے ہوا۔

خان کی قسط ادا نہ کرنے کی حالت میں اپنے گھر کے دروازے پر رُسوا ہوجانے کے تصور سے چودھری کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ سات ماہ تک فاقہ کرکے وہ کسی طرح قسط ادا کرتے رہے، مگر جب ساون میں برسات نہیں ہوئی اور باجرہ بھی روپے کا تین سیر ملنے لگا تو قسط دینا ممکن نہ رہا۔ خان سات تاریخ کی شام میں ہی آدھمکا۔ چودھری پیر بخش نے خان کی داڑھی چھوکر اور اللہ کی قسم کھا کر ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ آئندہ ماہ ایک کا سوا دینے کا وعدہ کیا۔ خان ٹل گیا۔

بھادوں میں حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہوگئی۔ بچوں کی ماں کی صحت روز بروز گرتی جارہی تھی۔ اس کو گیہوں کی روٹی دینا ضروری ہوگیا۔ گیہوں بمشکل روپے کا صرف ڈھائی سیر ملتا۔ بیمار کی زبان کبھی پیاز کے ٹکڑے یا دھنیے کی خوشبو کے لیے مچل جاتی۔ سونف، اَجوائن، سیاہ نمک کی ہی ضرورت ہوتو ایک دو پیسے کی کوئی چیز ملتی ہی نہیں۔ بازار میں تانبے کا نام ہی نہیں رہا۔ خواہ مخواہ اکنّی نکل جاتی۔ چودھری کو دو روپے مہنگائی بھتّے کے ملے، لیکن پیشگی لیتے لیتے تنخواہ کے دن صرف چار روپے ہی حساب میں نکلے۔

بچے گزشتہ ہفتے تقریباً فاقے سے تھے۔ چودھری کبھی گلی سے دو پیسے کی چورائی خرید کرلاتے تو کبھی باجرہ اُبال کر سبھی لوگ ایک ایک پیالہ پی لیتے۔ بہت مشکل سے ملے چار روپے میں سوا روپے خان کے ہاتھ میں دے دینے کی ہمّت چودھری کو نہیں ہوئی۔

مل سے گھر واپس آتے وقت وہ منڈی کی طرف چلے گئے۔ دو گھنٹے کے بعد جب انھوں نے سمجھا کہ خان چلا گیا ہوگا تب اناج کی گٹھری لے کر وہ گھر پہنچے۔ خان کے خوف سے انھیں قلب کی حرکت بند ہوتی محسوس ہورہی تھی، لیکن دوسری جانب چار بھوکے بچوں، ان کی ماں، دودھ پیدا نہ ہونے کے سبب سوکھ کر کانٹا ہورہا گود کا بچہ اور چلنے پھرنے سے معذور اپنی ضعیف ماں کی بھوک سے بلکتی صورتیں آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگیں۔ دھڑکتے دل سے وہ کہتے جاتے: ''مولیٰ! تو سب دیکھتا ہے، خیر کر۔''

سات تاریخ کی شام کو ناکام رہا خان آٹھ کو صبح سویرے چودھری کے مل جانے سے پہلے ہی اپنا ڈنڈا ہاتھ میں لیے دروازہ پر نمودار ہوگیا۔

ساری رات کافی غور وفکر کے بعد چودھری نے خان کے لیے بیان تیار کیا۔ مل کے مالک لالہ جی چار روز کے لیے باہر گئے ہیں۔ ان کے دستخط کے بغیر کسی کو بھی تنخواہ نہیں مل سکی۔ تنخواہ ملتے ہی وہ سوا روپے حاضر کردے گا۔ معقول وجہ بتانے پر بھی خان بہت دیر تک غرّاتا رہا: ''ہم وطن چھوڑ کر پردیس میں پڑا ہے۔ ایسے روپے چھوڑ دینے کے واسطے ہم یہاں نہیں آیا ہے۔ ہمارا بھی بال بچہ ہے۔ چار روز میں روپیہ نہیں دے گا تو ہم تمہارا..... کردے گا۔''

پانچویں دن روپیہ کہاں سے آجاتا! تنخواہ ملے ابھی ہفتہ بھی نہیں ہوا۔ مالک نے پیشگی دینے سے صاف انکار کردیا۔ چھٹے دن اتوار تھا۔ مل میں فرصت رہنے کے باوجود خان کے خوف سے چودھری صبح ہی گھر سے باہر نکل گئے۔ کئی ملاقاتیوں کے یہاں گئے۔ اِدھر اُدھر کی بات کرکے وہ کہتے: ''ارے بھائی، اگر ہوتو بیس آنے ایک دو روز کے لیے دینا۔ کچھ ضرورت آپڑی ہے۔''

جواب ملا: ''میاں، پیسے کہاں اس زمانے! پیسہ تو کوڑی کے مول بھی نہ رہا۔ ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی قرض میں چلا گیا تمام!''

دوپہر ہوگئی۔ خان آیا بھی ہوگا تو اس وقت تک بیٹھا نہیں رہے گا.... چودھری نے سوچا اور گھر کی طرف چل دیے۔ گھر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ خان آیا تھا اور گھنٹوں دروازہ پر لٹکے ہوئے دری کے پردہ کو ڈنڈے سے ہلا ہلا کر گالی دیتا رہا۔ پردہ کے پیچھے سے بڑی بی بی کے بار بار خدا کی قسم کھا کر یقین دلانے کے باوجود کہ چودھری باہر روپے لانے گئے ہیں، خان گالی دے کر کہتا: ''نہیں بد ذات چور اندر چھپا ہے۔ ہم چار گھنٹے میں پھر آتا ہے۔ روپے لے کر جائے گا۔ روپے نہیں دے گا تو اس کا کھال اُتار کر بازار میں بیچ دے گا..... ہمارا روپیہ کیا حرام کا ہے؟''

چار گھنٹے سے پہلے ہی خان نے پکارا: ''چودھری!'' پیر بخش کے اوسان خطا ہوگئے۔ ان کے ہاتھ، پیر میں کوئی جان باقی نہ رہی اور گلا خشک ہوگیا۔

گالی دیتے ہوئے پردہ کو جھٹکا دے کر خان کے دوبارہ پکارنے پر

چودھری کا جسم بے جان سا ہوجانے کے باوجود حس نہ رہ سکا۔ وہ اُٹھ کر باہر آ گئے۔ خان آگ بگولہ ہو رہا تھا: ''پیسہ نہیں دینے کے واسطے چھپتا ہے!'' یہ کہتے ہوئے خان کے منھ سے پیر بخش کے آبا واجداد کے نام سے مغلّظات کا طوفان اُبل پڑا۔ اتنی بڑی بے عزّتی سے پیر بخش کے خاندانی خون میں اُبال کے بجائے وہ اور بھی سرد ہوگیا۔ خان کا گھٹنا چھوکر اپنی پریشانی ظاہر کرتے ہوئے پیر بخش مزید مہلت کے لیے خوشامد کرنے لگے۔

خان کے مزاج کی تیزی میں اضافہ ہوگیا۔ اس کی اونچی آواز سے پڑوس کے موچی اور مزدور چودھری کے دروازے کے سامنے جمع ہوگئے۔ خان غصّہ میں ڈنڈا پٹخ پٹخ کر کہہ رہا تھا: ''پیسہ نہیں دینا تھا تو پھر لیا کیوں؟ تنخواہ کدھر میں جاتا؟ حرامی، ہمارا پیسہ مارے گا تو ہم تمہارا کھال کھینچ لے گا۔ پیسہ نہیں ہے تو گھر پر پردہ لٹکا کر شریف زادہ کیسے بنتا؟..... تم ہم کو بیوی کا زیور دو، برتن دو، کچھ بھی دو۔ ہم ایسے نہیں جائے گا۔''

نہایت بے بسی اور بے کسی کی حالت میں دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے خدا سے خان کے لیے دُعا مانگ کر پیر بخش نے قسم کھائی: ''ایک پیسہ بھی گھر میں نہیں، برتن بھی نہیں، کپڑا بھی نہیں۔ خان چاہے تو بے شک اس کی کھال اُتار کر بیچ لے۔''

خان اور بھی چراغ پا ہوگیا: ''ہم تمہارا دُعا کیا کرے گا؟ تمہارا کھال کیا کرے گا۔ اس کا تو جوتا بھی نہیں بنے گا۔ تمہارا کھال سے تو یہ ٹاٹ اچھا۔'' خان نے دروازہ پر لٹکتی ہوئی دری کا پردہ جھٹک دیا۔

دروازے سے پردہ ہٹنے کے ساتھ ہی گویا چودھری کی زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے۔

اس منظر کو دیکھ سکنے کی تاب چودھری میں نہیں تھی، لیکن دروازہ پر کھڑی بھیڑ نے دیکھا۔ گھر کی لڑکیاں اور عورتیں پردہ کی دوسری طرف پیش آئے اس حادثہ کی وجہ سے آنگن کے درمیان جمع ہوکر کانپ رہی تھیں۔ اچانک پردہ ہٹ جانے سے عورتیں اور لڑکیاں اس طرح سمٹ گئیں جیسے ان کے جسم کا لباس کھینچ لیا گیا ہو۔ وہ پردہ ہی تو گھر کی لڑکیوں اور عورتوں کے جسم کا لباس تھا۔ ان کے بدن پر بچے ہوئے چیتھڑے اُن کے ایک تہائی عضو کو بھی ڈھکنے سے لاچار تھے۔

جاہلوں کے مجمع نے نفرت اور شرم سے آنکھیں پھیر لیں۔ اس بے ستری کی جھلک سے خان کی سنگ دلی بھی موم ہوگئی۔ وہ شرمندگی سے تھوکتا ہوا اور پردہ کو آنگن میں پھینکتا ہوا خفگی اور مایوسی کے عالم میں لاحول وَلاقوۃ کہتا ہوا نا کام واپس ہوگیا۔

خوف سے چیختی ہوئی اور چھپنے کی جگہ کی تلاش میں بھاگتی ہوئی عورتوں اور لڑکیوں پر رحم کرتی ہوئی لوگوں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ چودھری بے ہوش پڑے تھے۔ جب انھیں ہوش آیا تو دیکھا کہ دروازہ کا پردہ آنگن میں پڑا تھا، مگر اُسے اُٹھا کر دوبارہ لٹکانے کی طاقت اُن میں باقی نہ تھی۔ شاید اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ پردہ جس مقصد کا آئینہ دار تھا، وہ فوت ہو چکا تھا۔

◆◆◆

مثنوی چراغِ دیر (مع پانچ اردو تراجم)

غالبؔ کی مثنوی ''چراغِ دیر'' مع پانچ اردو تراجم، اردو اکادمی، دہلی کی تازہ ترین کتاب ہے جسے ممتاز محقق، ناقد و شاعر اور دہلی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر صادق نے مرتب کی ہے۔ آپ نے تلاش و تحقیق کے بعد اردو کے پانچ اہم ادیبوں کے ترجموں کو حاصل کیا ان میں ظ۔ انصاری، اختر حسن، علی سردار جعفری، حنیف نقوی اور کالیداس گپتا رضا کے تراجم ہیں۔ اختر اسن اور حنیف نقوی نے منظوم ترجمہ کیا ہے جب کہ بقیہ تین تراجم منثور ہیں۔ ''مثنوی چراغِ دیر'' مرزا اسداللہ خاں غالب کی فارسی شاعری کا ایسا شاہکار نمونہ ہے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ مرزا غالب نے یہ مثنوی سفر کلکتہ کے دوران بنارس میں قیام کے دوران لکھی تھی۔ پروفیسر صادق نے اس کام کو ایسے سلیقے سے انجام دیا ہے کہ اس مثنوی کی اہمیت دوبالا ہوگئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ زیرِ نظر کتاب ریسرچ اسکالرز کی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ عام قارئین کی دلچسپی کا باعث بھی ہوگی۔

مرتب: پروفیسر صادق

صفحات: ۱۰۸، قیمت: ۴۵ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی